Al-Hikmat

Volume 32 (2012) p.p. 1-27

وحدت الوجود، وحدت الشہود اور وحدتِ شاہدین (۱)

ڈاکٹر عبدالحفیظ فاضلی

پروفیسر/چیئرمین، شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب، لاہور، پاکستان

خلاصہ

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ابتدائی صدیوں سے ہی روحانیت (Islamic Spirituality) کو اسلام کی روح کے عین مطابق سمجھتی چلی آرہی ہے؛ اسی طرح ہر زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اسے اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھا ہے۔ اسلام میں روحانیت سے انکار کیا جائے یا اسے عین اسلام قرار دیا جائے، بات سند کے ساتھ ہو تو اس سے نور پھیلیگا، اگر اس کے بغیر ہو تو کنفیوژن پیدا ہوگا۔ قرآن پاک کے حوالے سے بات کرنا سند کے ساتھ بات کرنا ہے کہ اللہ نے اپنے نازل کردہ کلام کو'الحق' فرمایا ہے اور حال پر یہ درجہ صرف اور صرف قرآن پاک کو حاصل ہے۔ قرآن پاک اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ماضی میں اللہ کے نازل کردہ کلام میں تحریف ہو چکی ہے۔ لہٰذا اسے سند کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام میں روحانیت کی مختلف شکلوں کیلئے تصوف کا لفظ رائج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ 'تصوف' یا 'صوفی' کا لفظ قرآنِ پاک میں کہیں آیا ہے اور نہ ہی کسی آیت سے اخذ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے 'احسان' کو ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ قرار دیکر اسلام میں روحانیت کا ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہمارے علم کے مطابق یہ لفظ قرآنِ پاک میں کہیں بھی ماننے کے کسی درجے (level of believing) کیلئے نہیں آیا۔ اسی طرح اگر 'احسان' کو 'حسنِ عمل' کے مترادف قرار دے کر تصوف کو حسنِ عمل سکھانے کی طریقت کے معنوں میں 'احسان اسلام' قرار دیا جائے تو بات تب بھی نہیں بنتی۔ حضرت فضل شاہ اپنے وقت کے بہت بڑے روحانی بزرگ تھے۔ حضرت فضل شاہ اور آپ کے خلیفہ محترم محمد اشرف فاضلی، تفسیر فاضلی کے مصنف ہیں۔ تفسیر فاضلی قرآن پاک کے لفظ 'شاہد' کو اسلام میں روحانیت کا ماخذ قرار دیتی ہے۔ جسے عرف عام میں تصوف کہا جاتا ہے، تفسیر فاضلی کے مطابق اسے قرآن پاک کے حوالے سے بجا طور پر طریقت شاہدین کے نام سے موسوم کیا جانا چاہئے۔ طریقت شاہدین' عطائے تزکیہ اور تصدیق کی طریقت کا نام ہے۔ اہل روحانیت پر بدعت کا الزام بھی عائد کیا جاتا ہے۔ 'بدعت' (principle of innovation) قرآنی اصول ہے جو اجتہاد کو بنیاد فراہم کرتا ہے اور قرآن پاک کی مقرر کردہ حدود کے اندر انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کے جلا، انسانی فکر و تجربہ

کے حاصلات کو علم الٰہی کے ساتھ relate کرنے، اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اسلامی اصولوں کی نئی تعبیر اور نئے اداروں کو وجود میں لانے کیلئے ازبس لازم ہے۔ مروجہ تصوف صدیوں سے 'وحدت الوجودی' اور 'وحدت الشہودی' مکاتب فکر میں تقسیم ہے۔ دونوں مکاتب فکر اپنا نظریہ قرآن پاک کی سند سے پیش کرنے کے بجائے اپنے کشف و مشاہدہ کی بنیاد پر پیش کرتے ہیں۔ کسی بھی نظریہ کے درست ہونے کیلئے اسکی قرآن پاک سے مطابقت لازم ہے۔ تفسیر فاضلی، وحدت الوجود کو قرآن پاک کے حوالے سے درست نظریہ نہیں مانتی۔ تاہم اس مکتب فکر میں بھی بعض بزرگ عشق رسول کے حوالے سے بہت اعلیٰ مقامات پر پائے گئے ہیں اس لئے یہی کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی ان کے عشق رسول کو قبول فرماتے ہوئے ان سے در گزر فرمالے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ تفسیر فاضلی دین میں کسی نئے مکتب فکر کی بنیاد نہیں رکھنا چاہتی، تاہم لفظ 'شاہد' کو اسلام میں روحانیت کا ماخذ قرار دینے اور اپنے کشف و شہود کے بجائے قرآن پاک کی سند سے بات کرنے کو پیش نظر رکھتے ہوئے تفسیر فاضلی کے نقطۂ نظر کو 'وحدت شاہدین' کہنا موزوں معلوم ہوتا ہے۔ درج ذیل مضمون میں اسلام میں روحانیت کے ماخذ اور حقیقت پر تفسیر فاضلی کا نقطۂ نظر قرآن پاک کی سند کے ساتھ تشکیل دیا گیا ہے۔

'تصوف' یا 'صوفی' کا لفظ قرآنِ پاک میں کہیں آیا ہے نہ ہی کسی آیت سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ ہماری تاریخ میں کیسے داخل ہوا، اس کے بارے میں صرف قیاس آرائی ہی کی جا سکتی تھی۔ جن لوگوں نے اسے 'صف'، 'صفّہ'، 'صوف'، یا 'صفا' سے مشتق قرار دینے کی کوشش کی، اسے قیاس آرائی ہی کہا جائے گا۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ 'وجود'، یا 'وجودِ مطلق' استعمال کر کے بھی اسلام میں روحانیت کا اثبات کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بے سند بات کبھی علم کا درجہ نہیں رکھ سکتی۔ اگر 'احسان' کو ایمان کا سب سے اعلیٰ مرتبہ قرار دیکر تصوف کو 'احسانِ اسلام' قرار دینے کی کوشش کی جائے تو یہ بھی درست اپروچ نہیں۔ یہ لفظ قرآنِ پاک میں کہیں بھی ماننے کے کسی درجے (Level of Believing) کیلئے استعمال نہیں ہوا۔ اگر 'احسان' کو 'حسنِ عمل' کے مترادف قرار دے کر تصوف کو حسنِ عمل سکھانے کی طریقت کا نام دیا جائے تو یہ بات بھی قرآنِ پاک سے مطابقت نہیں رکھتی۔ فرمانِ الٰہی ہے: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور قولِ سدید میں بات کرو۔ اللہ تمھارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔" (۳۳:۷۰-۷۱) حسنِ عمل کیلئے اعمال کا صالح ہونا ضروری ہے، اعمال کے صالح ہونے کیلئے ضروری ہے کہ قول سدید ہو۔ قول سدید نہ ہو تو اعمال کی اصلاح کا تو مقام ہی نہیں آسکتا، حسنِ عمل تو بعد کی بات ہے۔ حسنِ عمل کی طریقت سکھانے والے کے اپنے قول

کے سدید ہونے کی سند کہاں سے آئے گی! حسنِ عمل کی سند عطا کرنے والے کو یہ اتھارٹی کیسے حاصل ہوتی ہے! کیا 'احسان' کی مذکورہ تعبیر سے ان باتوں کا جواب دیا جا سکتا ہے؟ 'حبّ' اور 'تزکیہ' کے الفاظ قرآنِ پاک میں آئے ہیں۔ تصوف کو ماننے اور نہ ماننے والے دونوں اپنے مؤقف کی تائید ان الفاظ سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن دونوں ہی سند کے ساتھ بات نہیں کرتے۔ تفسیرِ فاضلی 'تصوف' یا 'صوفی' کے غیر قرآنی الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب کرتی ہے۔ تفسیرِ فاضلی قرآنِ پاک کے لفظ 'شاہد' کو روحانیت کا ماٴخذ قرار دیتی ہے۔ جسے عرفِ عام میں تصوف کہا جاتا ہے اسے تفسیرِ فاضلی کے نقطہ نظر سے بجا طور پر 'طریقتِ شاہدین' کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

سلسلہءِ قادریہ کا آغاز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف حضرت غوثِ اعظم رحمت اللہ علیہ سے ہوتا ہے۔ حضرت غوثِ پاکؒ سے سلسلہءِ قادریہ کی جس شاخ کا آغاز ہوا وہ زاہدی قادری کہلاتی ہے۔ اسی سلسلہءِ عالیہ میں حضرت سلطان باھوؒ سے سروری قادری شاخ کا آغاز ہوا۔ حضرت فضل شاہؒ المعروف بابا جی نوروالے خود سلسلہءِ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن فاضلی قادری شاخ کے بانی تھے۔ آپؒ انڈیا کے صوبہ مشرقی پنجاب کے ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیمِ برصغیر پر انڈیا سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے۔ ابتداً فیصل آباد کی تحصیل ماموں کانجن میں آباد ہوئے اور پھر مستقل طور پر لاہور تشریف لے آئے۔ آپ کا ڈیرہَ پاک انفنٹری روڈ دھرم پورہ پر 'آستانہ قادریہ نور والوں کا ڈیرہ' کے نام سے واقع ہے۔ ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۹۸ ھجری بمطابق ۳۰ جولائی ۱۹۷۸ء میں آپ نے وصال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف یہیں پر واقع ہے۔ حضرت محمد اشرف فاضلی صاحب (۱۹۴۰ء-) کو آپ کے خلیفہ اور سلسلہءِ فاضلی قادری کے پہلے بزرگ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کا ڈیرہَ پاک 'فاضلی فاؤنڈیشن' کے نام سے پیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور پر واقع ہے۔ عمرِ شریف کے آخری حصہ میں حضرت فضل شاہ صاحب کا معمول تھا کہ تہجد کے وقت قرآنِ پاک کے ایک رکوع کا بیان فرماتے تھے۔ جناب حضرت محمد اشرف فاضلی، پیرومرشد کے امر کے مطابق ان بیانات کے نوٹس لیتے اور حضرت صاحب کے عطا کردہ علم کے مطابق انہیں تحریر کر کے دن میں کسی وقت حضرت صاحب کی خدمت میں تصدیق یا تصحیح کیلئے پیش فرماتے۔ قرآن پاک کے بیان کا یہ کام حضرت صاحب کے وصال شریف سے پہلے مکمل ہو گیا۔ وصال سے چند روز قبل 18 جولائی کو حضرت فضل شاہ صاحب نے وصیت لکھوائی جس پر حضرت محمد اشرف فاضلی صاحب سمیت پانچ افراد کے دستخط ہیں جن میں حضرت فضل شاہ حضور کے صاحبزادے رضا حسین، حضرت صاحب کے ایک عقیدت مند غلام رحمٰن صاحب (جو سیکریٹری صاحب کہلاتے

تھے)، حاجی سلطان احمد اور محمد اعظم صاحب شامل ہیں۔یہ وصیت مشہور دانشور جناب محمد حنیف رامے کی قلمی ہے اوران کے دستخط بھی موجود ہیں۔اس وصیت کے مطابق حضور قبلہ محمد اشرف فاضلی صاحب کو تفسیر پاک کی اشاعت کا حق عطا کیا گیا اور مالی کفالت کی نوید بھی دی گئی۔تفسیرِ فاضلی منزل اول کے 'تاثرات' میں جناب رشید احمد چوہدری صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت فضل شاہ صاحب، جناب محمد اشرف فاضلی صاحب کوامام العارفین کہہ کرخطاب کی دعوت دیا کرتے تھے۔[1] حضرت فضل شاہؒ کے نزدیک قرآن پاک قول ہے۔اپنی وصیت میں حضرت صاحب نے جناب محمد اشرف فاضلی صاحب کو'قول کا بادشاہ' کہہ کر آپ کے فہمِ قرآن کے درجے کی تصدیق فرمائی۔جس طرح 'داتا' ایک روحانی مقام ہے اسی طرح 'بادشاہ' بھی ایک روحانی مقام ہے اورحضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مقامات میں سے ایک ہے۔حضرت فضل شاہؒ نے اپنی وصیت میں یہ ارشادفرما کر کہ جناب محمد اشرف فاضلی ''قول کے بادشاہ ہیں، ویسے بھی بادشاہ ہیں'' آپکے روحانی مقام کی بھی تصدیق فرمائی۔یہ تفسیرِ پاک، تفسیرِ فاضلی کے نام سے سات منازل میں چھپ چکی ہے۔پہلی منزل ۱۹۸۱ء اور ساتویں منزل ۱۹۹۸ء میں طبع ہوئی۔اشفاق احمد خان اورانکی اہلیہ محترمہ بانوقدسیہ نے اپنے اکثر ڈراموں اور ناولوں میں باباجی، امّی باباجی، باباجی نوروالے کہہ کر آپ ہی کا ذکر کیا ہے۔اشفاق احمد خان کی وفات کے بعد چھپنے والی کتاب 'بابا صاحبا' کا انتساب 'نوروالوں کے ڈیرے' کے نام ہے۔تفسیر فاضلی تو حضرت فضل شاہ رحمت اللہ علیہ کے وصال کے بعد چھپی، تاہم علمی ادبی حلقوں میں حضرت صاحب کا تعارف مشہور صحافی اکمل علیمی، اور مشہور ادیب اشفاق احمد خان اورمحترمہ بانوقدسیہ کے ذریعے بہت پہلے ہو چکا تھا۔تفسیرِ فاضلی کی انگلش ٹرانسلیشن کا کام جاری ہے۔اس وقت تک چارمنازل چھپ چکی ہیں۔پانچویں زیرِ طبع ہے۔چھٹی منزل پر کام ہورہا ہے۔متنِ قرآن کی تقسیم حضور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات منازل میں فرمائی تھی۔تفسیرِ فاضلی کی جلدوں کے تعین میں اسی علمِ الٰہی کا اتباع کیا گیا ہے۔ایک سنجیدہ طالبعلم کی حیثیت سے میں نے فلسفہ پڑھا تھا اورلاہور کے ایک سرکاری کالج میں فلسفہ کے مضمون میں لیکچرر تھا جب ۱۹۸۵ء کے آخر میں اللہ تعالٰی کے فضل سے حضور قبلہ حضرت محمد اشرف فاضلی صاحب کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔فلسفہ کے مضمون میں مسلم فلسفہ بھی پڑھایا جاتا ہے۔کیفیت یہ تھی کہ سالہا سال سے ذہن میں بہت سے سوالات تھے جن کا کوئی قابلِ اطمینان جواب نہیں مل سکا تھا۔حضرت صاحب سے پہلی ہی ملاقات میں ایسا علم عطا ہوا جو دل و دماغ کے اندر اترتا چلا گیا۔اس ملاقات میں جو سوالات پوچھے گئے ان میں سے ایک تصوف کے بارے میں تھا۔اس موضوع پر جو علم عطا ہوا، جسے بعد میں مزید جلاملتی چلی گئی، اسے میں نے اپنے

ایک حال ہی میں شائع ہونے والے مضمون The Way of Shahideen: The Construction of a Quranic Theology of Sufism in Tafseer-e-Fazli* میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر نعیم احمد سابق صدر شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ڈاکٹر ثوبیہ طاہر، استاد شعبہ فلسفہ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور، پروفیسر وقار اسلم، استاد شعبہ فلسفہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، معروف دانشور اور محقق جناب عبدالحمید کمالی اور چند دیگر صاحبانِ علم نے جہاں اسے اپنے موضوع پر بہت اور بجنل تحقیق قرار دیا، وہاں کچھ سوالات بھی اٹھائے، بعض نکات کی وضاحت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی۔ چند سنجیدہ قارئین اور پنجاب یونیورسٹی شعبہ فلسفہ کے طلباء کی طرف سے اسی موضوع پر اردو میں لکھنے کیلئے استدعا کی گئی۔ درجِ ذیل مضمون مذکورہ موضوع پر ایک توسیعی اور جدید تحریر ہے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مقابل 'وحدتِ شاہدین' کا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۶ سے ۱۹۹۸ تک تفسیرِ فاضلی کے مسودات کی پروف ریڈنگ کی سعادت حاصل رہی، اور اسکے بعد تفسیرِ فاضلی کی انگلش ٹرانسلیشن کے کام کے ساتھ بحیثیت مدیر وابستہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ زیرِ نظر تحریر میں تصوف کی حقیقت، قرآن میں اسکے ماخذ، اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر تفسیرِ فاضلی کا نقطہء نظر تشکیل دینے کی کوشش کی گئی ہے جسے وحدتِ شاہدین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صاحبانِ علم کی طرف سے جو سوال اٹھائے گئے ان کا جواب دیا گیا ہے، جن نکات کی وضاحت کیلئے کہا گیا تھا، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس مضمون کی اہمیت اس اعتبار سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ اسے تفسیرِ فاضلی کے محترم مصنف جناب محمد اشرف فاضلی صاحب کی تصدیق حاصل ہے۔

تفسیر فاضلی کے مطابق قرآن پاک قول ہے اور 'الحق' (معیارِ حق) ہے۔ قرآنِ پاک کے حوالے سے بات کرنا سند (authority) کے ساتھ بات کرنا ہے۔ مصنف کو یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں بالعموم اور تصوف میں بالخصوص سند کے ساتھ بات کرنے کی روایت کبھی پروان نہ چڑھ سکی۔ 'الحق' ہونے کی حیثیت سے صرف قرآنِ پاک ہی کو سند کا درجہ حاصل ہے۔ کوئی قول، ارشاد، اصول، فہم، دعویٰ، نظریہ، تعلیمات، ہدایت (direction)، رہنمائی، روایت، یا کشف و شہود کی کوئی تعبیر اگر 'الحق' کے مطابق ہے تو حق ہے، اگر اس سے متصادم ہے تو ناحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو زوج زوج پیدا کیا ہے۔ 'قول' کا جوڑا (complement) 'عمل' ہے۔ (اخذ ۳۳: ۷۰-۷۱) تفسیرِ فاضلی کے محترم مصنفین کا ارشاد ہے: جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ سچا ثابت نہیں ہوتا۔ قرآنِ پاک نے مسلمانوں کو بولنے کا جو علم عطا فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ: اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک یہ نہایت قابلِ نفرت بات ہے

کہ تم وہ کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے ۔(۶۱:۲۔۳) تفسیرِ فاضلی اس اصول کا اِطلاق زندگی کے تمام پہلوؤں پر کرتی ہے ۔فاضل مصنفین کے مطابق اللہ کے نزدیک ایسی تبلیغ بھی ناپسندیدہ ہے جس پر ہادی کے اتباع میں مبلغ کا اپنا عمل نہ ہو۔اللہ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کیا جائے، اپنی برتی ہوئی بات کی جائے، کسی بات پر عمل کرنے سے جو فائدہ پہنچا ہے اس میں دوسروں کو شریک کیا جائے، تو یہ تبلیغ اللہ کے فرمان کے مطابق ہو گی ۔حق اور ناحق کے درمیان فرق کرنے کی اہلیت علم ہے ۔قرآن پاک کو 'الحق' مانا جائے مگر بات سند کے بغیر کی جائے تو اختلافات ہی پیدا ہوں گے ۔علم والوں کے نزدیک تحریر یا تقریر کا منشا قرآنِ پاک کی سند کے ساتھ حق کو روشن کرنا ہی ہوتا ہے ۔(اخذ،۵:۱۵) مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ابتدائی صدیوں سے ہی روحانیت (Islamic Spirituality) کو اسلام کی روح کے عین مطابق سمجھتی چلی آرہی ہے؛ اسی طرح ہر زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اسے اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھا ہے ۔اسلام میں روحانیت سے انکار کیا جائے یا اسے عین اسلام قرار دیا جائے، بات سند کے ساتھ ہو تو اس سے نور پھیلے گا، اگر اس کے بغیر ہو تو کنفیوژن پیدا ہوگا۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ تفسیرِ فاضلی کے فاضل مصنفین اس موضوع پر سند کے ساتھ کیا علم عطا فرماتے ہیں ۔

اللہ تعالٰی نے حضور نبی پاک کو شاہد بنا کے بھیجا ہے ۔آپ ماننے والوں کو بشارت دیتے ہیں، نا ماننے والوں کو انذار کرتے ہیں ۔تمام انبیاء کرام شاہد بنا کر بھیجے گئے ۔جو شاہد کی بشارت یا انذار کو مان لیتا ہے وہ ماننے والا (believer) ہو جاتا ہے ۔شاہد ماننے والوں پر آیات تلاوت فرماتا ہے، انھیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے ۔شاہد، کلامِ الٰہی تلاوت فرماتا ہے اور اسکی اپنی ذاتِ اقدس اس پر عمل کا نمونہ ہوتی ہے ۔اللہ نے اپنے رسول کو معلمِ کتاب و حکمت ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے ۔ماننے والوں کو تزکیہ عطا فرمانا بھی آپ ہی کی شان ہے ۔فرمانِ الٰہی ہے: ''بے شک اللہ تعالٰی نے مومنین پر احسان فرمایا جب انھیں میں سے رسول مبعوث فرمایا ۔ان پر اسکی آیات تلاوت فرماتا ہے، اور انہیں تزکیہ عطا کرتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔اور اس سے قبل وہ یقیناً گمراہی میں تھے ۔'' (القرآن،۳:۱۶۴) تفسیرِ فاضلی کے مطابق رسولِ پاک نے اپنے متبعین کو تلاوتِ آیات کے بعد کتاب و حکمت کا علم اور تزکیہ عطا فرمایا، اور ان میں سے چنے ہوئے لوگوں کی تصدیق فرمائی اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا ۔فرمایا گیا ہے: اللہ نے حضرت طالوتؑ کو چن لیا اور انہیں علم اور جسم کے اعتبار سے زیادہ عطا فرمایا؛ (۲:۲۴۷) اللہ نے حضرت بی بی مریم کو چن لیا اور طاہر کیا، اور جہان کی دیگر عورتوں پر چن لیا ۔(۳:۴۲) اللہ تعالٰی نے حضرت آدم، حضرت نوح، اور آلِ

ابراہیم اور آلِ عمران کو عالمین سے چن لیا، جو ایک دوسرے کی ذرّیّت تھے۔(۳۳:۳) ہر زمانے میں اللہ چن لیتا ہے بعض مرد اور خواتین کو، تا کہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کی رضا کو پا سکیں۔ اللہ کے چنے ہوئے کو مان لینا باعثِ راحت ہوتا ہے۔ چنے ہوئے کے ذریعے اللہ کو مانا جائے تو ھدایت عطا ہوتی ہے۔ قرآنِ پاک مسلمانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرتا ہے: اصحاب الیمین (جنہیں اعمالنامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔)، اصحاب الشمال (جنہیں اعمالنامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔)، اور السابقون الاوّلون (سبقت کرنے والے اوّل حضرات۔)۔ قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے "اور تم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے۔" (۵۶:۷۔۱۰) تفسیر فاضلی اس آیتِ کریمہ کی تفسیر اس طرح کرتی ہے: حال پر بھی لوگوں کی تینوں قسمیں موجود ہیں۔ لیکن توفیق کی موجودگی اور اصلاح کیلئے مہلت موجود ہونے کی وجہ سے انہیں الگ الگ نہیں کیا جاتا۔ قیامت کے دن جزا کیلئے تینوں قسموں کا الگ الگ ہو جانا ضروری ہے۔۲ 'مہاجرین و انصار سے سبقت کرنے والے اوّل حضرات اور جنہوں نے احسان کے ساتھ انکی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے... یہ عظیم کامیابی ہے۔'(۹:۱۰۰) السابقون الاولون میں سے ہر صاحب لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں سہارا دیکر اپنا حق ادا کرتا رہا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے السابقون الاوّلون کا اتباع کیا اور قدر و منزلت کے ساتھ انکی خدمت کی، یہ بھی انکے نور سے منور ہوئے۔ السابقون الاوّلون کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ " سبقت کرنے والے تو ہیں ہی سبقت کرنے والے۔ وہی مقرب ہیں۔" (۵۶:۱۰۔۱۱) یہ بھی فرمایا گیا: ایک گروہ اولین میں سے۔ اور قلیل آخرین سے ہونگے۔(۵۶:۱۳۔۱۴) اصحاب الیمین کے بارے میں فرمایا گیا کہ ایک گروہ اوّلین سے ہوگا اور ایک گروہ آخرین سے ہوگا۔(۵۶:۳۹۔۴۰) العشرۃ المبشرہ، السابقون الاوّلون میں سے وہ دس لوگ تھے جن میں سے ہر ایک کا نام لیکر حضور نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔ یہ چنے ہوئے دس لوگ تھے۔ انہیں تصدیق یافتہ ہونے کا شرف ہوا۔ تفسیرِ فاضلی کا مؤقف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت یہ ہے کہ اس نے اپنے چنے ہوئے بندوں کو لوگوں کیلئے نمونہ بنا کے بھیجا، تا کہ لوگ چنے ہوئے بندوں کے ذریعے اللہ کو مانیں اور انکا اتباع کریں تا کہ خوف و حزن سے نجات نصیب ہو۔(تفسیر آیت ۳:۳۳) چنانچہ سلسلۂ شاہدین، عطائے تزکیہ اور اسکی تصدیق کا ادارہ ہے۔ لیکن تزکیہ کی اہمیت کیا ہے! تفسیرِ فاضلی کا نقطۂ نظر ہے کہ تزکیہ اور فلاح لازم و ملزوم ہیں۔ 'اس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا۔'(۸۷:۱۴) شاہد کی تصدیق کے بغیر تزکیہ یافتہ ہونا محض دعویٰ ہے۔ 'اللہ نے مومنین سے فلاح کا وعدہ کر رکھا ہے۔' (۲۳:۱) مومن کے نو مقامات ہیں: توبہ، عبادت، حمد، روزہ، رکوع، سجدہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور حدود

اللہ کی حفاظت۔(۱۱۲:۹) شاہد میں یہ صفات اعلیٰ ترین درجے میں پائی جاتی ہیں۔شاہد کے نقشِ قدم پر رہنے سے ان مقامات پر پورا رہنے کا شرف ہوتا ہے،تزکیہ اور فلاح عطا ہوتی ہے۔(اخذ، ۹:۸۱، ۱۴:۸۷)اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ نبوت میں یہ ضروری تھا کہ آپ تزکیہ عطا فرمائیں تو کسی اور زمانے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ شاہد کے بغیر تزکیہ عطا ہو جائے۔سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۵۔۴۶ ’’اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر بنا کر بھیجا۔اور اللہ کی طرف اس کے اذن سے دعوت دینے والے اور روشن چراغ۔‘‘ کی تفسیر میں فاضل مصنفین تفسیر فاضلی کا ارشاد ہے:’حال پر شاہدین میں سے کسی کو شاہد بنانے کی حقیقت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد ماننا ہے۔‘(تفسیر فاضلی جلد پنجم ص ۳۰۵) اللہ کریم نے اپنے محبوب کو سراجاً منیرا بنا کے بھیجا ہے۔چراغ سے چراغ جلتے ہیں۔اس چراغ کی یہ شان ہے کہ اس سے کئی چراغ جل چکے ہیں،اب حال پر جل رہے ہیں،اور قیامت تک جلتے رہیں گے۔شاہد وہ روشن چراغ ہے جو لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے۔شاہد کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی،اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔شاہد کے دعویٰ کی تصدیق دو اسناد سے ہوتی ہے:اسکا قول سدید ہو۔قرآنِ پاک اسکے قول کی تصدیق کرے۔(۷۰:۳۳)اسکا عمل ہر مقام پر اپنے صاحب کے اتباع میں ہو۔(۱۵:۳۱) اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔شاہدین،اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔اللہ اپنے دوستوں کو ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے۔(۲۵۷:۲)اللہ کے دوستوں کی شان یہ ہے کہ وہ خوف وحزن سے پاک ہوتے ہیں۔(۶۲:۱۰)جو اللہ کے دوستوں میں سے کسی کا دوست ہو جاتا ہے،اللہ کا دوست ہو جاتا ہے۔اسے ظلمات سے نور کی طرف آنے کا شرف ہو جاتا ہے۔وہ خوف وحزن سے پاک ہو جاتا ہے

تفسیرِ فاضلی کے مطابق شاہدین اللہ کے محبوب بندے ہوتے ہیں۔فرمانِ الٰہی ہے: اللہ تعالیٰ محسنین کی حبّ رکھتا ہے۔(۱۹۵:۲) اللہ تعالیٰ توّابین کی حبّ رکھتا ہے۔(۲۲۲:۲)اللہ تعالیٰ متطہّرین کی حبّ رکھتا ہے۔(۲۲۲:۲) اللہ تعالیٰ متّقین کی حبّ رکھتا ہے۔(۷۶:۳)اللہ تعالیٰ صابرین کی حبّ رکھتا ہے۔(۱۴۶:۳) اللہ تعالیٰ متوکّلین کی حبّ رکھتا ہے۔(۱۵۹:۳)اللہ تعالیٰ مطّہّرین سے محبت رکھتا ہے۔(۱۰۸:۹) اللہ تعالیٰ مقسطین سے محبت رکھتا ہے۔(۸:۶۰)اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے،جو اسکی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔(۶۱:۴)جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں،اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔(۳۱:۳)یہ لوگ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور محبوب کا راضی کرنا محبّ کے راضی کرنے کی احسن صورت ہے۔

جولوگ برائیوں کواختیار کر لیتے ہیں،قرآنِ پاک میں ان کا بھی ذکر ہے۔فرمایا گیا ہے: اللہ ظالمین کی حبّ نہیں رکھتا۔(۳:۱۴۰) اللہ مفسدین کی حبّ نہیں رکھتا۔(۵:۶۴) اللہ مسرفین کو پسند نہیں کرتا۔(۶:۱۴۱) اللہ حد سے بڑھنے والوں (معتدین) کو پسند نہیں کرتا۔(۷:۵۵) اللہ خائنین کو پسند نہیں کرتا۔(۸:۵۸) اللہ مستکبرین کوپسند نہیں کرتا۔(۱۶:۲۳) اللہ کسی ناشکرے گناہگار کوپسند نہیں کرتا۔(۲:۲۷۶) اللہ کافرین کو پسند نہیں کرتا۔(۳:۳۲ , ۳۰:۴۵) اللہ اترانے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔(۴:۳۶، ۳۱:۱۸، ۵۷:۲۳) اللہ دغا باز گناہگار کوپسند نہیں کرتا۔(۴:۱۰۷) اللہ دغاباز، ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔(۲۲:۳۸) اللہ فارحین کوپسند نہیں کرتا۔(۲۸:۷۶)

جواللہ کےمحبوب بندوں میں سے کسی کی صفت اپنالیتا ہے،اسکے قریب ہو جاتا ہے،وہ اللہ کومحبوب ہو جاتا ہے۔اللہ کے محبوب کی صفات محبت کے ساتھ اتباع کرنے سے ہی آتی ہیں۔تصدیق کرنے کا شرف بھی تو اللہ کے محبوب ہی کو حاصل ہے۔تمام شاہدین وجودِ واحد ہیں،صورتیں جدا جدا ہیں۔مانا صرف ایک ہی کو جاتا ہے،لیکن ادب سب کا کیا جاتا ہے۔ارشادِ باری ہے: اتباع اس کا کر جو میری طرف رجوع لا رہا ہے۔(۳۱:۱۵) جواللہ کے محبوب کےقرب کا دعویٰ کرتے ہیں بغیر ان میں سے کسی کا اتباع کیئے،ان کا دعویٰ ثبوت سے خالی ہوتا ہے۔ہر نبی اور رسول اپنی قوم کیلئے اللہ کی عبدیت کامعیارِ مطلق تھا۔ہر نبی اور رسول نے قوم سے اپنی اطاعت اور اتباع کا مطالبہ کیا۔نبی ءکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام بنی آدم کیلئے اللہ کی عبدیت کامعیارِ مطلق ہیں۔اللہ تعالیٰ نے 'عبدہٗ' اور 'عبدہٖ' کہہ کر اپنے محبوب کے عبدیت کامعیارِ مطلق ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔(۱۷:۱ , ۲۵:۱) اللہ کے محبوب بندوں کی صفات جس اکمل درجے میں حضور نبی ءکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پائی جاتی ہیں، وہ کسی اور میں نہیں پائی جاسکتیں۔اپنے محبوبِ پاک کو یہ صفات خود اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہیں۔محبین کو یہ صفات حال پر اللہ کے محبوب سے عطا ہوتی ہیں۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے محبوب ترین بندے اور روشن چراغ ہیں۔اس چراغ سے جو روشن ہوئے وہ بھی اللہ کے محبوب ہیں اور روشن چراغ ہیں۔مصنفینِ تفسیرِ فاضلی نے یہ بات کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرمائی ہے: مخلصین کا وجود واحد ہے، چونکہ انکا مقصود واحد ہے،اور انکا مقصود ہے لوگوں کوظلمات سے نور کی طرف لانا۔مخلص وہ ہوتا ہے جسے شیطان بہکا نہیں سکتا، کہ وہ مدح سے بے ربط نہیں ہوتا اور مذمّت سے پریشان نہیں ہوتا۔۳

بعض لوگ کشف وشہود اور کرامات (unveiling, direct witnessing, and making miracles) کو ہی روحانیت (تصوف) سمجھتے ہیں۔تفسیرِ فاضلی اس سے اتفاق نہیں کرتی۔طریقتِ شاہدین،

کشف وشہود اور کرامات کا نام نہیں۔ کشف وشہود یا کرامات، یا علم کی جو شکل بھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو خود عطا فرمانا پسند فرمائے، وہ یقیناً قابلِ قدر ہے، لیکن ان میں سے کچھ بھی اللہ کے محبوب کے محبین کا کبھی مقصود نہیں ہوتا۔ کسی صاحب کا کشف وشہود اس کے ماننے والوں کیلئے جتنا بھی اہم ہو، دین کے معاملات میں سند (authority) کا درجہ نہیں رکھتا اور نہ ہی اس حیثیت سے حجت (quoteworthy) ہوتا ہے۔ کرامت بھی کسی کے تزکیہ یافتہ ہونے کی سند نہیں ہوتی۔ مصنفینِ تفسیرِ فاضلی کا فرمان ہے: کرامت کسی لفظ کی کثرتِ تکرار کا حاصل ہوتی ہے، چاہے وہ لفظ مہمل ہی کیوں نہ ہو۔[۴] اللہ سے بہتر کون جانتا ہے کہ کسی حال پر اس کے کسی دوست کو لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں مدد دینے کیلئے کونسا علم درکار ہے! اللہ اپنے محبوب کو اپنی پسند سے جو علم عطا فرمائے، وہ اسے پورا جانتا ہے اور راضی رہتا ہے۔ مقامات کی طلب کا طریقتِ شاہدین سے کوئی تعلق نہیں۔ مقامات کی خواہش بندے کو مشقت میں ڈالتی ہے۔ (ماخوذ ۲:۶۱) ایک بزرگ ریاضت اور مجاہدے میں مشہور تھے۔ ایک دن رات میں صرف سات کھجوریں کھاتے۔ بس یہی ان کی کل غذا تھی۔ ان کا وجود ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ دو صاحب ان کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ ایک صاحب نے عرض کیا: جناب آپ کے بارے میں یہ سنا ہے کہ آپ ایک دن رات میں صرف سات کھجوریں کھاتے ہیں۔ بس یہی آپ کی کل غذا ہے۔ آپ کے وجود سے بھی لگتا ہے کہ بات درست ہے۔ تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا آپ کی اطلاع درست ہے۔ تصدیق چاہنے والے نے عرض کیا: اگر اجازت ہو تو ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا: پوچھئے۔ اس نے عرض کیا: جناب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنے آپ کو اس دکھ میں کیوں ڈالا ہوا ہے۔ بزرگ کو سوال اور پوچھنے کا انداز برا لگا، اس نے دانت کچکچا کر کہا: تم داڑھی منڈے ہو کر یہ سوال پوچھتے ہو۔ سوال پوچھنے والے کا دوسرا ساتھی باریش تھا۔ اس نے عرض کیا: جناب کا اعتراض سوال پوچھنے والے کی موزونیت سے تعلق رکھتا ہے، سوال کی موزونیت پر آپ نے اعتراض نہیں کیا۔ اگر اجازت ہو تو یہی سوال میں جناب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لب ولہجہ بھی مؤدبانہ تھا۔ بزرگ کے پاس اب اعتراض کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ انہوں نے کہا: میں یہ ریاضت اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے یہ مقام حاصل ہو جائے کہ جس پر نظر کروں اسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حضوری حاصل ہو جائے۔ سائل نے عرض کیا: جناب کیا یہ لازم ہے کہ اس ریاضت کے نتیجے میں یہ مقام حاصل ہو جائے گا۔ بزرگ نے جواب دیا: قطعاً لازم نہیں۔ اللہ چاہے گا تو ایسا ہوگا۔ سائل نے عرض کیا: کیا یہ لازم ہے اس ریاضت کے بغیر یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ بزرگ نے فرمایا: اللہ چاہے تو بغیر کسی ریاضت کے بھی اس شرف سے نواز دے۔ سائل نے

عرض کیا: کیا قیامت کے روز آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے اس مقام کے حصول کیلئے کوشش کیوں نہیں کی۔ بزرگ کے پاس جواب نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر اندر چلے گئے۔

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت ماننے کے درجے ہیں۔ شریعت، اللہ کا امر ہے جسکا اتباع ضروری ہے۔ شریعت کی حقیقت شاہراہ ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک دستور (شریعت) اور راستہ (منہاج) دیا۔ اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک امت ٹھہرا دیتا۔ (۵:۴۸) مزید فرمایا: پھر ہم نے تمھیں (اپنے) امر سے شریعت پر ٹھہرایا، تو اسی کا اتباع کرو اور بے علم لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگو۔ (۴۵:۱۸) بے علم لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں۔ بے علم لوگوں کی بات ہمیشہ بے سند ہوتی ہے۔ جو شریعت پر عمل پیرا ہوتا ہے جیسے وہ پسند کرتا ہے، وہ صرف اپنی ہی پسند ناپسند کا اتباع کرتا ہے، وہ بے علم لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگتا ہے۔ وہ اللہ کے امر کو نہیں مانتا۔ ایسا شخص رسومِ دین میں بڑی مہارت بھی حاصل کر لے، کبھی دین کی روح کو نہیں پا سکتا۔ تفسیرِ فاضلی کے مطابق شاہد کے نقشِ قدم کے اتباع میں شریعت پر عمل کرنا، طریقت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:... اور اتباع اس کا کر جو میری طرف رجوع لا رہا ہے۔ (۳۱:۱۵) کسی کو اللہ کی طرف رجوع لانے والے کی حیثیت سے مان کر اس کا اتباع کرنا طریقت ہے۔ اتباع کبھی ایک سے زیادہ کا نہیں کیا جا سکتا۔ جو ایک سے زیادہ کا اتباع کرتا ہے، صرف اپنے آپ کو مانتا ہے۔ جس نے اپنی زندگی میں خود کسی کا اتباع نہیں کیا، اس نے اللہ کے فرمان کو نہیں مانا، وہ قابلِ اتباع نہیں ہو سکتا۔ جو حق کے حوالے سے اصلاح قبول کرتے ہیں، وہ صالح ہیں۔ جو من مانی کرتے ہیں، وہ غیر صالح ہیں۔ صالح اور غیر صالح کی طریقت الگ الگ ہے۔ جنّوں کی ایک جماعت نے قرآنِ پاک سنا تو وہ ایمان لے آئے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ انکا بیوقوف سردار اللہ کے بارے میں بے سند باتیں کرتا رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی اعتراف کیا: ہم میں سے کچھ صالح ہیں اور کچھ ان کے مقابل (یعنی غیر صالح)۔ ہمارے راستے (طرائق) الگ الگ ہیں۔ (۷۲:۱۱) اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت میں، شاہد کو اللہ کی طرف رجوع لانے والا مان کر اسکے نقشِ قدم پر چلنا صالحین کی طریقت ہے۔ (۳۱:۱۵) اپنی پسند اور ناپسند کا اتباع ان کے مقابل والوں کا طریقہ ہے۔ جس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی میں لگا ہوا ہو، اور جس کا کام حد سے گزر جائے، اسکی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔ اطاعت اسی کی حق ہے جس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرتا ہو، اور حدود اللہ کا احترام کرتا ہو۔ (۱۸:۲۸) حقیقت کے درجے کا تعلق علم سے ہے۔ تفسیرِ فاضلی کے فاضل مصنفین کا نظریہ ہے کہ علم ہمیشہ عمل کے بعد عطا ہوتا ہے۔ شاہد کی صداقت اور امانت کے اعتراف کے بعد اسکی بات کو

بلا دلیل ماننا ایمان بالغیب ہے۔شاھد کے نقش قدم کا اتباع کرنے سے ایمان بالغیب، ایمان بالشہادت میں بدل جاتا ہے۔شاہد کے اتباع میں شریعت پر عمل کرنے کے بعد جو مقام آتا ہے وہ 'حقیقت' ہے۔جو قول، عمل، اور علم تینوں مقامات پر اپنے شاہد کے اتباع میں پورا رہتا ہے، اسے معرفت بطورِ انعام عطافرما دی جاتی ہے۔ معرفت وہ درجہ ہے جسے قرآن عرفانِ حق کا نام دیتا ہے۔(۸۳:۵) وہ مخلصین میں شمار ہو جاتا ہے اور مخلصین کو شیطان بہکا نہیں سکتا۔(۱۵:۴۰ ;۳۸:۸۳) قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: صالح لوگ دعا کرتے رہتے ہیں: یا اللہ ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا، اور رسول کے تابع ہوئے، تُو ہمیں شاہدین کی معیت میں لکھ لے۔(۳:۵۳) جسے معرفت عطا ہوئی اسے شاہدین کی کامل معیت عطا ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سمجھانے کیلئے قرآنِ پاک میں مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔شاہدین بھی فرمانِ الٰہی کے اتباع میں بات سمجھانے کیلئے مثالیں بیان فرماتے ہیں۔لیکن ضروری ہے کہ مثال فرمانِ الٰہی سے مطابقت رکھتی ہو۔اگر کوئی مثال یا تمثیل فرمانِ الٰہی سے متناقض ہے تو وہ خلافِ حق ہے اور لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں کوئی مدد نہیں دیتی۔فاضل مصنفینِ تفسیرِ فاضلی نے شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے تعلق کو واضح کرنے کیلئے اسطرح تمثیل بیان کی ہے: شریعت بمنزلہ دودھ، طریقت بمنزلہ دہی، حقیقت بمنزلہ مکھن اور معرفت بمنزلہ گھی ہے۔اگر دودھ ہی نہ ہو تو نہ کچھ بن سکتا ہے، نہ کوئی بنا سکتا ہے۔[۵] تفسیرِ فاضلی اسے ایک اور طرح بھی بیان کرتی ہے: شاہد کا قدم علوم کا معدن ہوتا ہے۔علم، قدم کی صفت ہے۔شریعت، قدم ہے۔طریقت، نقشِ قدم ہے۔حقیقت قدیم ہے۔شریعت قدم کی ابتداء ہے اور معرفت قدم کی انتہا ہے۔[۶] انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے: شریعت کا مزاج دودھ کی مانند ہے۔اگر پیٹ ٹھیک ہو تو دودھ فائدہ دیتا ہے، اگر ٹھیک نہ ہو تو مرض کو بڑھاتا ہے۔اگر قلب ٹھیک ہو تو شریعت سے فائدہ پہنچتا ہے، اگر قلب میں مرض ہو تو شریعت پر عمل کرنے سے مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔ایسا شخص شعائرِ دین پر عمل کرنے کو ہی پورا دین سمجھتا ہے اور شیخی بگھارتا ہے، اور جو شعائرِ دین پر عمل کرنے کے اعتبار سے اسے کمزور نظر آتے ہیں ان کی تحقیر کرتا ہے۔(شریعت، طریقت، اور حقیقت کے تعلق کو واضح کرنے کیلئے ایک مختلف تمثیل کا جائزہ ہم آئندہ صفحات میں لیں گے۔)

قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے: جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے، تو اسے ان لوگوں کی معیت حاصل ہوگی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، کہ وہ نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں۔یہ کیسے اچھے رفیق ہیں۔اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ حضرات کی چار انتہائی کیٹیگریز کا ذکر کیا ہے: نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین۔دیگر تمام ٹائٹل جو انعامیافتہ حضرات کو بیان کرنے کیلئے استعمال

ہوئے ہیں مثلاً رسول، اولوالعزم، شاہدین، مخلصین، ابرار، متقین، محسنین وغیرہ انہیں چار کیٹیگریز میں سے کسی کے تحت آئیں گے۔[7] سید حسین نصر، علامہ جاوید احمد غامدی، ڈاکٹر اسرار احمد اور کئی دیگر سکالر رسالت کو نبوّت سے برتر مقام سمجھتے ہیں۔ان کا نظریہ ہے کہ رسول ہونا نبی ہونے کو مستلزم ہے جبکہ اس کے برعکس درست نہیں۔رسالت کو نبوّت سے بالا، یا اولوالعزم کو رسالت سے الگ کوئی کیٹیگری سمجھنا، اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں درست نہیں۔تفسیرِ فاضلی کے مطابق رسالت کا مقام نبوت کے تحت ہے اس سے بالا نہیں۔نبی ہونا رسول ہونے کو مستلزم ہے نہ کہ اس کے برعکس۔قرآنِ پاک میں رسول کالفظ فرشتے کیلئے بھی استعمال ہوا ہے اور انسان کیلئے بھی۔(۲۲:۷۵، ۶۹:۱۱، ۸۰:۴۳، ۷۷:۱۱، ۹۶:۲۰-۹۷) نبی کالفظ صرف بنی آدم کے افراد کیلئے ہی مخصوص ہے۔فرشتہ رسول تو ہوسکتا ہے مثلاً فرمایا گیا ہے: رسول چن لیتا ہے اللہ ملائکہ اور آدمیوں میں سے جسے چاہے۔(۲۲:۷۵) لیکن کوئی فرشتہ نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا۔اگر رسول ہونا نبی ہونے کو مستلزم ہوتو پھر جن فرشتوں کو رسول چنا گیا انکا نبی ہونا لازم قرار پائے گا۔'نبی' صاحبِ شریعت ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے نئی شریعت بھیجتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ نے خاتم النبیین ہونے کے مرتبہ پر سرفراز فرمایا ہے۔ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔قیامت تک حضور کی لائی ہوئی شریعت ہی تمام بنی نوعِ انسان کے لئے ہوگی۔قرآنِ پاک نے حضور کو 'ختم الرسل' نہیں کہا۔چونکہ نبوت جنس (genus) اور رسالت اسکی نوع (sub-class) ہے اسلئے حضور کی ختمِ نبوت آپ کے 'ختم الرسل' ہونے کو بھی مستلزم ہے۔لیکن اگر اس کے برعکس تسلیم کیا جائے تو پھر آپ کا 'ختم الرسل' ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

تفسیرِ فاضلی میں مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں فرمایا گیا ہے: اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے، اسکا ہر کام علمِ مطلق سے ہوتا ہے۔اسکا چناؤ بھی اسکے اپنے علم سے ہوتا ہے، اسلئے اس سے بہتر چناؤ ممکن نہیں۔اسنے ملائکہ سے جن کو چنا وہ بھی بڑی شان رکھتے ہیں، انسانوں میں سے جنہیں چنا وہ بھی بڑی شان رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب، بندوں کو بڑی آسانیاں عطا کرتا ہے، کہ وہ اللہ کے چنے ہوئے کو مان لیں اور فلاح کی راہ پر چل پڑیں۔[8] فرمایا گیا ہے:...اس نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے قبل اور اس میں بھی، تاکہ رسول تم پر شاہد ہو اور تم اور لوگوں پر شاہد رہو...(۲۲:۷۸) شاہد ہونا رسول کا منصب ہے۔اللہ کا ہر رسول شاہد تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کے تصدیق یافتہ شاہدین پر شاہد ہیں۔شاہدین لوگوں پر شہادت دیتے رہیں گے۔فرمانِ الٰہی ہے: بے شک ہم نے آپ کو شاہد اور مبشّر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ، اور آپ کی تعظیم کرو اور آپ کی توقیر کرو...(۴۸:۸-۹) فرمانِ الٰہی ہے: اور تمھیں معلوم

رہے کہ اللہ کے رسول تم میں ہیں... (۷:۴۹) شاہد ماننے والوں پر آیات تلاوت فرماتا ہے، انھیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ حضور کے تصدیق یافتہ شاہدین اس منصب کے وارث ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شاہدین کی صورت، حال پر ہمارے درمیان موجود ہیں اور تا قیامت رہیں گے اور ان کی معیت سے بہتر کوئی ساتھ نہیں۔ جو یہاں ان کے ساتھ ہوگا، وہی آخرت میں ان کے ساتھ ہوگا کہ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ (۲:۲۵, ۸۲, ۱۱۰, ۱۳۰)

سید حسین نصر

نظریۂ وحدتِ شاہدین کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کرنے کیلئے آیئے ایک ہم عصر مسلم سکالر سیّد حسین نصر (۱۹۳۳-) کے نظریات کا جائزہ لیتے ہیں جو ایک صوفیانہ سلسلے کے اہم نمائندہ ہیں۔ سیّد حسین نصر نے، جو واشنگٹن یونیورسٹی امریکہ میں اسلامک سٹڈیز کے پروفیسر ہیں، ۱۹۶۶ میں دنیا کو اسلامی تعلیمات سے متعارف کرانے کیلئے Ideals and Realities of Islam کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے تصوف کے بارے میں بھی اپنے نظریات پیش کئے ہیں۔ اس کتاب سے دو مثالیں پیش کر رہا ہوں:

یہ کتاب شریعت، طریقت، اور حقیقت کے تعلق کو واضح کرنے کیلئے دائرے کی تمثیل بیان کرتی ہے۔ اس تمثیل میں دائرے کا محیط شریعت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق شریعت تمام ماننے والوں کیلئے ہے اور ماننے والے دائرے کے محیط پر ہوتے ہیں۔ اس دائرے کے ممکنہ رداس، طرق (طریقت کی جمع) کی علامت ہیں۔ طریقت وہ رداس ہے جو محیط کے ہر ہر نقطے کو مرکز سے ملاتا ہے۔ دائرے کا مرکز 'حقیقت' ہے۔ لوگوں کے ثقافتی اور نفسیاتی اختلاف کی وجہ سے طریقت کے مظاہر میں فرق پایا جاتا ہے، لیکن ان کی ماہیت میں کوئی فرق نہیں۔ سید حسین نصر کے مطابق طریقت کے اتنے ہی مظاہر ممکن ہیں جتنے کہ بنی آدم ہیں۔ ایمان لانے والا فرد، محیط پر آجاتا ہے جو کہ شریعت ہے۔ شریعت سے حقیقت یعنی دائرے کے مرکز کی طرف سفر طریقت ہے۔ حقیقت خدا ہے اور یہی تمام روحانی سفر کی منزل ہے۔ حقیقت (خدا)، شریعت اور طریقت کا منبع (Origin) ہے۔ خدا نے شریعت اور طریقت کو الگ الگ پیدا کیا ہے۔ ان دونوں کا حقیقت (خدا) سے الگ الگ نوعیت کا تعلق ہے۔ محض شریعت پر عمل پیرا ہونا، نجات کیلئے کافی ہے لیکن بعض افراد کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ وہ حقیقت تک پہنچنے سے رک نہیں سکتے۔ ۹ سید حسین نصر حقیقت (reality)، صداقت (truth)، خدا (God) اور مرکز (center) کو ایک قرار دیتے ہیں۔ ۱۰ اس تمثیل کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا ہر ہر جزو قرآنِ پاک کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس تمثیل کے مطابق دائرے کا مرکز حقیقت، صداقت، یا خدا

ہے۔لیکن قرآنِ پاک، اللہ کیلئے 'حقیقت' کا لفظ کہیں استعمال کرنا پسند نہیں کرتا۔ 'حقیقت' عربی کا لفظ ہے جس کا مادہ 'ح۔ق۔ق' ہے۔اس مادے کے درج ذیل مشتقات قرآنِ پاک میں آئے ہیں:

حق : بارہ مرتبہ۔بمعنی جائز، درست، منصفانہ، اللہ کے وعدہ یا وعید کا پورا ہونا وغیرہ۔(۳۰:۷; ۱۶:۱۷)

حَقّت: پانچ مرتبہ۔بمعنی منصفانہ۔(۳۳:۱۰; ۹۶:۱۰)

یَحِقُّ: ایک مرتبہ۔بمعنی وعدہ پورا کرنا، یا پورا کر دکھانا۔(۷۰:۳۶)

حُقّت: دو مرتبہ۔بمعنی پورا ہونا، پورا اترنا (۵, ۲:۸۴)

یُحِق: چار مرتبہ۔بمعنی حق کو حق کر دینا۔(۸:۷۔۸)

استحقّا: ایک مرتبہ۔بمعنی واقعی ثابت ہونا۔(۱۰۷:۵)

حَقّاً: سترہ مرتبہ۔بمعنی پر حق ہونا۔(۱۸۰:۲, ۲۳۶)

حَقّہٗ: تین مرتبہ۔بمعنی اس کا حق، ان کا حق۔(۱۴۱:۶)

اَحَقُّ: دس مرتبہ۔بمعنی بڑا حق ہونا، زیادہ حق ہونا۔(۱۰۷:۵; ۲۶:۱۷)

حَقِیقٌ: ایک مرتبہ۔بمعنی لازم ہے کہ۔(۱۰۳:۷)

الحاقۃ: تین مرتبہ۔بمعنی وہ حق ہونے والی۔(۶۹:۱۔۳)

الحق: دوسو ستائیس (۲۲۷) مرتبہ۔بمعنی اللہ کا نازل کردہ فرمانِ الٰہی، (۲۶:۲)؛ حق بمقابلہ باطل (۴۲:۲)؛ حق بمقابلہ الضلال (۳۲:۱۰)؛ حق بمقابلہ ظن (۱۵۴:۳)۔"

قرآنِ پاک کی روشنی میں بات کرتے ہوئے خدا کو 'حقیقت' (Reality) یا حقیقتِ اولیٰ Ultimate Reality یا The Reality کہنا ممکن نہیں۔اسے 'الحاقۃ' سے بھی اخذ کرنا ممکن نہیں جو کہ سورہ الحاقۃ کی پہلی تین متصل آیات میں آیا ہے: مارماڈیوک پکتھال اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: The Reality! What is the Reality? Ah, what will convey thee what the reality is! (al-Qur'an, 69:1-3) عبداللہ یوسف علی انہیں آیات کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: The Sure Reality! What is the Sure Reality? And what will make thee realize what the Sure Reality is? (69:1-3) لیکن اسی سورہ کی آیات نمبر 13 تا 37 کے مارماڈیوک پکتھال اور عبداللہ یوسف علی کے تراجم کے بعد اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ پہلی تین آیات میں ان کے نزدیک reality, the sure event, the undeniable truth سے مراد یومِ قیامت

کے علاوہ کچھ نہیں جب ہر ایک کو اس دنیا میں کیئے گئے اعمال کی جزادی جائے گی۔۱۲

ذاتِ باری کیلئے دائرے کی مثال بیان کرنے کا قرآنی حوالے سے کوئی جواز نہیں۔ذاتِ باری کیلئے قرآنِ پاک یہ تمثیل قطعاً بیان نہیں کرتا نہ ہی یہ اللہ کی شان کیلئے موزوں ہے۔قرآنِ پاک میں اللہ کیلئے نقطے کی تمثیل بھی بیان نہیں کی گئی۔اوپر بیان کیا گیا ہے کہ شریعت سے مراد قول،تعلیمات،ہدایت ہے؛طریقت سے مراد عمل ہے اور حقیقت،علم کا درجہ ہے۔جسے ان تینوں مقامات پر اپنے صاحب کے اتباع میں پورا رہنے کا شرف ہوتا ہے اسے معرفت سے بطور انعام نواز دیا جاتا ہے۔...Ideals and Realities معرفت کا کوئی ذکر نہیں کرتی،سوائے سرسری حوالے کے اور وہ بھی بغیر سند کے۔اور کیا بھی کیسے جا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو'حقیقت' قرار دے دینے کے بعد مزید درجہ کون سا رہ جاتا ہے۔!اگر خدا 'حقیقت' ہے تو پھر زمین و آسمان،اور جو کچھ ان کے مابین ہے یا تو بے حقیقت (appearance) ہے،یا حقیقت (یعنی خدا) کے اختیار کئے ہوئے عارضی تعیّنات ہیں! کائنات اگر بے حقیقت ہے تو پھر یہ دنیا دارالعمل نہیں ہو سکتی،اس میں کئے گئے اعمال بھی بے حقیقت ہونگے۔آخرت کو دارالجزا ماننا ممکن نہیں رہے گا۔کائنات اگر'حقیقت' یعنی خدا کے اختیار کئے ہوئے عارضی تعیّنات کی کلّیت ہے،تو بحیثیتِ کلّیت یہ ازلی اور ابدی(eternal and everlasting) ہی ہو سکتی ہے۔لیکن قرآنِ پاک تو فرما رہا ہے کہ زمین و آسمان،اور جو کچھ ان کے مابین ہے اسے اللہ نے چھ دنوں میں تخلیق فرمایا اور ساتویں دن آسمان پر استوا فرمایا۔اور یہ بھی کہ ہم نے اسے حق کے ساتھ تخلیق فرمایا۔(ماخوذ ۶:۷۳، ۱۰:۵، ۴۵:۲۲)یہ سندِ درجِ بالا دونوں امکانات کی نفی کرتی ہے۔شریعت قول یعنی انفارمیشن کا درجہ ہے۔قول کے بعد عمل کا مقام ہے،یہ طریقت کا درجہ ہے۔عمل کے بعد حاصل ہونے والی کیفیت علم کہلاتی ہے۔یہ حقیقت کا مقام ہے۔ان مقامات پر پورا رہنے والے کو معرفت عطا ہوتی ہے۔لیکن سیّد حسین نصر کے ہاں تو علم کا کوئی مقام ہی نہیں،وہاں تو خدا ہی حقیقت ہے۔

مسلمانوں میں یہ عقیدہ صدیوں پیشتر رائج ہو چکا ہے کہ'الحق' اللہ تعالیٰ کے اسماءالحسنیٰ میں سے ایک ہے۔'الحق' کو'اللہ' کے خصوصی نام کی حیثیت سے لفظ'اللہ' کے مترادف استعمال کرنا،اور اس کی بنیاد پر اللہ کو The Truth'، 'The Reality'، The Ultimate Reality یا وجودِ مطلق،اور کائنات کو relative reality یا اضافی حقیقت قرار دینا وحدت الوجودی مکتب فکر کے دو بنیادی مفروضات میں سے ایک ہے۔وحدت الوجودی مابعد الطبیعات'الحق' کو'اللہ' کے مترادف قرار دے کر اسکے مضمرات اخذ کرنے سے تشکیل پاتی ہے۔دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ خدا کائنات سے تنزیہہ (transcendence) اور تشبیہ

(immanence) دونوں نوعیت کا تعلق رکھتا ہے۔مشہور صوفی محی الدّین ابن العربی (۶۳۸/۱۲۴۰ وفات) اس مکتب فکر کے بانی قرار دیئے جاتے ہیں ۔ موجودہ دور میں سیّد حسین نصر اس مکتبِ فکر کے اہم نمائندوں میں سے ہیں۔یہ نظریہ وحدت الوجود کیلئے Doctrine of the unity of all being یا Doctrine of the unity of all existence کا ٹائٹل استعمال کرنا پسند کرتے ہیں۔[۱۳] تفسیرِ فاضلی 'الحق' کا الاسماءالحسنٰی میں سے ہونا تسلیم نہیں کرتی۔اسلئے وہ وحدت الوجودی مابعدالطبیعات کو قرآنِ پاک کے مطابق نہیں سمجھتی۔تفصیل کیلئے مصنف کے درجِ ذیل تحقیقی مضامین سے استفادہ کیا جا سکتا ہے: "Is al-haqq One of Al-Asma' al-Husna!" اور "Quranic Ontology and Status of al-haqq" جو بالترتیب تحقیقی مجلّہ بازیافت،جلد ۹ (۲۰۰۶) اور مجلّہ بازیافت، اشاعت دسمبر ۲۰۰۹ میں شائع ہوئے۔تفسیرِ فاضلی کا مؤقف بالاختصار اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

۔۔۔اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ سے نازل ہواوہ الحق ہے،مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔(۱۳:۱)

اور فرمایئے الحق تمھارے ربّ کی طرف سے ہے۔تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے...(۱۸:۲۹)

قول اسی کا الحق ہے۔(6:74) الحق تمھارے رب ہی کی طرف سے ہے،تو تُو شک لانے والوں میں سے نہ ہو۔(۲:۱۴۷)

... حکم اللہ ہی کا ہے۔حق بیان فرماتا ہے... (6:57) جب ان کے پاس الحق آیا، کہنے لگے یہ تو سحر ہے اور ہم اسکا انکار کرتے ہیں۔(۴۳:۳۰)

اور جب ان سے فرمایا جائے ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل فرمایا، کہتے ہیں: ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا،اور باقی سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ الحق ہے۔اس کا مصدق ہے جو ان کے پاس ہے...(۲:۹۱)

اور وزن اس دن الحق سے ہوگا۔پھر جن کے وزن بھاری ہوئے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔اور جن کے تول ہلکے ہوئے تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا... (۷:۸۔۹)

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کی تنزیل ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ کا افتریٰ ہے! بلکہ وہ آپ کے ربّ کی طرف سے الحق ہے...(۳۲:۲۔۳)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے اور اس پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا، اور وہی ان کے ربّ کی طرف سے الحق ہے...(۲:۴۷)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، اور وہ اس حق کے منکر ہیں جو تمھارے پاس آیا...(۱:۶۰)

'الحق' جو ماضی میں نازل ہوا مصدّق ہے اس 'الحق' کا جو حال پر نازل ہوا، اور 'الحق' جو حال پر نازل ہوا مصدّق ہے اس 'الحق' کا جو ماضی میں نازل ہوا۔(Cf. ۴۱:۲، ۸۹، ۹۱؛ ۰۳:۰۳؛ ۰۵:۰۶؛ ۳۱:۳۵؛ ۳۷:۳۷)

...(بنی اسرائیل) کلام کے مواضع میں تحریف کرتے ہیں...(۱۳:۵) اور وہ جو یہودی ہیں...اللہ کی باتوں میں ان کے مواضع کے بعد تحریف کرتے ہیں...(۴۱:۵)

اے اہلِ کتاب بے شک ہمارے رسول تمہارے پاس تشریف لائے، کہ تم پر روشن فرماتے ہیں سب کچھ جو تم نے کتاب میں سے چھپالیا تھا اور بہت کچھ سے عفو فرماتے ہیں...(۱۵:۵)

...اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جبکہ الحق تمھارے پاس آچکا...(۴۸:۵)

...اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے، تو وہی کافر ہیں۔(۴۴:۵)

...اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے، تو وہی ظالم ہیں۔(۴۵:۵)

...اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے، تو وہی فاسق ہیں۔(۴۷:۵)

...اور بے شک لوگوں میں سے کثیر فاسق ہیں۔(۴۹:۵)

حضرت داؤد (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ ابنِ مریم (علیہ السلام).... نے بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں پر لعنت کی۔(۷۸:۵)

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس الحق پر جو ہمارے پاس آیا...(۸۴:۵)

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر کذب سے افترا باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے، بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے۔(۲۱:۶)

قرآنِ پاک میں 'الحق' اپنے مختلف مشتقات کی صورت میں ۲۲۷ مرتبہ آیا ہے۔ مصنف نے اپنے محولہ بالا مضامین میں ان تمام مقامات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ 'الحق' ہونے کا درجہ اللہ کے نازل کردہ فرمان کا ہے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ 'الحق' کا نازل فرمانے والا ہے۔ نازل کیا گیا کلام اور اس کا نازل

فرمانے والا، ایک نہیں ہو سکتے، کلام اور متکلّم ایک نہیں ہو سکتے۔ اس لئے 'الحق' اللہ کا نام نہیں۔ 'الحق' کے معنی ہیں 'معیارِ حق'۔ 'الحق' ہونا قرآنِ پاک کی شان ہے۔ ماضی میں اللہ کا نازل کردہ کلام بھی 'الحق' کا درجہ رکھتا تھا لیکن قرآنِ پاک شہادت دیتا ہے کہ ان میں تحریف کی گئی ہے، اس لئے اب وہ سند کا درجہ نہیں رکھتیں۔ (حوالہ ۵:۱۳، ۱۵، ۴۱) اس لئے تفسیرِ فاضلی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے کسی نظریے کی تردید یا تصدیق نہیں کرنی چاہیئے، صرف یہ کہنا چاہیئے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے وہ حق ہے۔ (تفسیر آیت ۴۶:۲۹) حال پر صرف قرآنِ پاک ہی سند کا درجہ رکھتا ہے۔ کسی بھی نظریہ، اصول، عقیدہ، روایت، ارشاد، قول، گمان، خیال، احساس، وہم، قیاس، تصور، تخیّل، تاثر، وجدان، واردات، حال، کشف، شہود، تشریح، تعبیر کی صداقت کا حتمی معیار قرآنِ پاک ہی ہے۔ قرآنِ پاک جس کی تصدیق کرتا ہے وہ حق ہے، جس کو رد کرتا ہے وہ بغیر الحق ہے۔ (۲:۶۱، ۳:۲۱) قرآنِ پاک کے حوالے کے بغیر کی گئی بات محض رائے، قیاس، گمان یا ظنّ کا درجہ رکھتی ہے، 'اور ظنّ کسی کو حق سے مستغنی نہیں کرسکتا'۔ (ماخوذ ۱۰:۳۶؛ ۵۳:۲۸) فرمانِ الٰہی سے انحراف الضلال (گمراہی) ہے۔ فرمایا گیا ہے: الحق کے بعد ہے ہی کیا مگر گمراہی۔ (۱۰:۳۲) قرآن پاک کے مقابل نظریات باطل ہیں۔ (۱۷:۸۱، ۲۱:۱۸) اللہ کے بارے میں بے سند بات کرنا اللہ پر افترئ باندھنا (concoction) ہے، اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ (۴:۱۷۱) فرمانِ الٰہی ہے: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وہ لوگ اپنے ربّ کے حضور پیش ہونگے، اور گواہی دینے والے کہیں گے، یہی ہیں جنھوں نے اپنے ربّ پر جھوٹ باندھا تھا۔ سن لو! ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۱۱:۱۸) حکمِ الٰہی ہے:... اور اللہ پر نہ کہو مگر حق... (۴:۱۷) فرمانِ الٰہی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانا فسق ہے، اور اللہ فاسق ہی کو گمراہ کرتا ہے۔ (۲:۲۶) مومنین کی شان یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ حضرت فضل شاہ اور جناب محمد اشرف فاضلی کا ارشاد ہے کہ جس بات کا کوئی حاصل نہ ہو وہ لا حاصل ہوتی ہے، اور لا حاصل بات ہی لغو ہوتی ہے۔ لغو سے اعراض کتنا اہم ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ تفسیر فاضلی میں ہر آیت شریفہ کی تفسیر کے بعد اس کا حاصل بھی بیان کیا گیا ہے۔ تفسیر فاضلی اپنے نظریات قرآنِ پاک کی سند سے بیان کرتی ہے۔

فاضل مصنفینِ تفسیرِ فاضلی اس بات کو درست نہیں سمجھتے کہ شریعت، اور طریقت کو الگ الگ لوگوں کیلئے تخلیق کیا گیا ہے، یعنی شریعت عام لوگوں کیلئے اور طریقت چنے ہوئے لوگوں کیلئے۔ فاضل مصنفین کا ارشادِ گرامی ہے: عام سے خاص بنتا ہے، اور خاص سے خاص الخاص۔ ان کا نظریہ ہے کہ شریعت کو جاننے کا منبع 'الحق' یعنی قرآنِ پاک ہے۔ (تفسیر فاضلی جلد ۶، ۱۸:۴۵، ص ۳۱۴) اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا طریقہ

طریقِ مستقیم یعنی طریقت بھی قرآنِ پاک میں بتایا گیا ہے۔(۳۰:۴۶) طریقِ مستقیم یا طریقت کا اتنی تعداد میں ہونا جتنے بنی آدم ہیں، بے سند بات ہے۔اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ جس طرح کسی کے جی میں آئے شریعت پر عمل کرے، یہی طریقِ مستقیم ہے، کسی اللہ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرنے کی ضرورت نہیں۔لیکن یہ بات قرآنِ پاک سے صریحاً متصادم ہے۔فرمانِ الٰہی ہے:... اور اتباع اسکے راہ کا کرنا جو میری طرف رجوع لائے...(۱۵:۳۱) اسلام ہمیشہ سے اللہ کا اپنے بندوں کیلئے پسند کیا ہوا دین رہا ہے۔(۳:۵) تمام شاہدین اپنی اپنی قوم کے سامنے یہی دین پیش کرتے رہے ہیں۔ہر زمانے میں تمام لوگوں کیلئے یہ مکمل دین رہا ہے۔حضور نبیءکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اسے اکمل کر دیا گیا۔شریعت اب اس دین کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔شریعت اپنی ماہیت کے اعتبار سے شاہراہ ہے۔[14] قرآنِ پاک اس کیلئے صراطِ مستقیم کی تلمیح استعمال کرتا ہے۔سورہ فاتحہ میں اللہ تعالٰی کی طرف سے دعا سکھائی گئی ہے:'ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرما۔راہ انکی جن پر تو نے انعام کیا۔'ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ: انعام یافتہ کے نقشِ قدم کا نام صراطِ مستقیم ہے۔اللہ تعالٰی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرسلین میں سے ہونے اور صراطِ مستقیم پر ہونے کی شہادت دی ہے۔ (۳۶:۳۔۴) جس کی آپ نے اپنے نقشِ قدم پر ہونے کی شہادت دی، وہ بھی صراطِ مستقیم پر ہے۔اس تصدیق یافتہ شاہد سے جسے تصدیق عطا ہوئی اس کے صراطِ مستقیم پر ہونے میں بھی کوئی شبہ نہ رہا۔یہ سب انعام یافتہ ہیں۔صورتیں جدا جدا ہیں، راستہ سب کا ایک ہے۔فاضل مصنفینِ تفسیر فاضلی ارشاد فرماتے ہیں: 'اللہ کے محبوب کے نقشِ قدم کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں کہ اللہ کی رضا اسی سے روشن ہوتی ہے۔'وہ مزید فرماتے ہیں کہ:'صراطِ مستقیم کی ہدایت طلب کرنے سے یہ حق عائد ہوتا ہے کہ اللہ کے محبوب سے کسی مقام پر اپنی کوئی صورت نہ رکھی جائے اور ربّ العالمین کو اسی کے حوالے سے اور اسی کی شہادت سے یاد کیا جائے۔' اللہ کے محبوب کے نقشِ قدم کا اتباع ہی طریقت ہے۔سورہ نساء میں فرمایا گیا ہے: اور جو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرے تو اسے انکی معیّت حاصل ہوگی جن پر اللہ نے انعام کیا۔ ..... النبیین، صدّیقین، شہداء اور صالحین۔اور وہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔'(۶۹:۴)'ان انعام یافتہ حضرات کی معیت رضائے الٰہی کی سند ہے۔اس معیت کا طریقِ حصول یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہو۔ اللہ کی اطاعت اللہ کے رسول کی اطاعت ہی سے ثابت ہوتی ہے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت تابعین، ناصحین، شاہدین کی اطاعت سے ثابت ہوتی ہے۔دعویٰ بھی حال پر ہوتا ہے، شاہد بھی حال پر ہوتا ہے اور بغیر شہادت دعویٰ قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔ انعام یافتہ کا اتباع خوف و حزن سے یقینی نجات کا باعث ہوتا ہے۔اس سے بڑی رفاقت کوئی نہیں ہو سکتی۔' [15]

خطِ مستقیم دو نقاط کے درمیان مختصر ترین فاصلہ ہوتا ہے۔تصدیق یافتہ شاہد کا اتباع منزل کے حصول کا یقینی، مختصر ترین اور محفوظ ترین راستہ ہے۔دائرے کے محیط کا نہ آغاز ہوتا ہے نہ انجام۔محیط پر سفر کرنے والا کبھی منزل آشنا نہیں ہوتا۔قرآنِ پاک میں دائرے کی تلمیح 'مصائب میں گھر جانے' یا 'بُری گردش' کے معنی میں آئی ہے۔کہیں پر یہ تلمیح شریعت یا اس کے طریقت اور حقیقت سے تعلق کو بیان کرنے کیلئے نہیں آئی۔(۵:۵۲، ۶:۴۸)

سیّد حسین نصر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بسم اللہ سے سورہ الفاتحہ کا آغاز ہوتا ہے، چنانچہ یہ سارے قرآن سے پہلے ہے۔قرآن کی روح الفاتحہ ہے۔اور 'بسم اللہ' کی روح حرف 'ب' ہے جس سے 'بسم اللہ' کا آغاز ہوتا ہے۔اور 'ب' کی روح وہ نقطہ ہے جو حرف 'ب' کے نیچے ہوتا ہے۔اور میں [حضرت علی علیہ السلام] وہ نقطہ ہوں۔'' سیّد حسین نصر کے الفاظ یہ ہیں:

> "The *basmalah* begins the *Surat al-fatihah* and therefore the whole of the Quran. It thus comes at the beginning of the prophetic message which is itself revealed because of God's mercy towards men. It is in reference to the inner meaning of this formula that 'Ali, the representative *par excellence* of esotericism in Islam, said that 'all the Quran is contained in the *Surat al-Fatihah*, all of this Surat is contained in the *basmalah*, all of the *basmalah* in the letter 'ba'(ب) with which it begins, all of the letter 'ba' in the diacritical point under it and I am that diacritical point". The beautiful symbolism indicated in this saying refers to Ali's 'supreme identity' as the perfect saint who is inwardly in union with God. The point with which the basmalah begins is according to another Hadith the first drop

from the Divine Pen. It thus marks the beginning of things as it is also the beginning of the Quran. Like the point which generates all geometeric space, the point is the symbol of the Origin of all creation, as the basmalah itself marks the beginning of things."16

حضرت علیؓ،شاہدین میں بہت ہی بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور شاہدین انکی عظمت کو ہمیشہ سلام کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔لیکن جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے،کیا اسے اللہ کے نازل کردہ الحق کے ساتھ کوئی نسبت ہے! ہرگز نہیں۔یہ حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ کی شان کے منافی ہے کہ وہ کوئی ایسا دعویٰ کریں جسے قرآنِ پاک کی سند سے ثابت نہ کیا جا سکتا ہو۔حرف 'ب' کا نقطہ(diacritical point)ایک نقطہ ہے اور نقطہ ہمیشہ بلا جہت اور بے رخ(dimentionless directionless) ہوتا ہے۔حضرت علیؓ نے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ قدم کا اتباع کیا۔آپ نے ہمیشہ حضور کی اطاعت کی۔آپ کا رخ ہمیشہ ظلمات سے نور کی طرف رہا۔آپ رضی اللہ عنہٗ بے جہت اور بے رخ کیسے ہو سکتے ہیں!تفسیرِ فاضلی باطنیت (esotericism) کے نام پر اللہ کے کسی محبوب بندے کی ذاتِ اقدس کو پر اسرار بنانے پر یقین نہیں رکھتی۔حضرتِ علیؓ بچپن ہی میں ایمان لے آئے اور تمام عمر مبارک حضور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنیٰ کا اتباع کرتے ہوئے فرمانِ الٰہی کے مطابق بسر کی۔زندگی کے کسی بھی مقام پر آپ نے خواہش کا اتباع نہیں کیا۔

تفسیرِ فاضلی قربِ الٰہی کے لحاظ سے اللہ کے کسی بندے کی شان بیان کرنے کیلئے اتحاد(union with God)یا حلول (immanance) جیسے الفاظ استعمال کرنا خلافِ حق سمجھتی ہے۔تفسیر فاضلی کے مطابق قرآنِ پاک اس مقصد کیلئے 'معیتِ الٰہی' کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔مثلاً فرمایا گیا ہے: صابرین اللہ کی معیّت میں ہیں،متقین اللہ کی معیّت میں ہیں،محسنین اللہ کی معیّت میں ہیں۔(۲:۱۵۳،۱۹۴ ; ۲۹:۶۹) مکہ شریف سے مدینہ پاک ہجرت کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غارِ ثور میں تھے اور دشمن تعاقب کرتے ہوئے غار کے دہانے تک پہنچ گیا تھا،آپ کے یارِ غار حضرت ابو بکر صدیقؓ اس اندیشے سے محزون ہوئے کہ کہیں حضور پاک کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے،تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:لاتحزن ان اللہ معنا۔حزن نہ کرو ہم اللہ کی معیّت میں ہیں۔ (۹:۴۰) حضرت علی یقیناً اللہ کی کامل معیّت میں تھے لیکن in

"union with God" قطعاً نہیں تھے اور نہ ہی کوئی ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں میں پانچ بہت پاک ہستیوں کا تصور ہے جنہیں پنجتن پاک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کچھ حضرات حضور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پنجتن پاک مانتے ہیں، جبکہ کچھ حضرات ان پاک ہستیوں کا بھی ادب کرتے ہیں اور حضور نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پنجتن پاک قرار دیتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان بیان کرتے ہوئے حضرت فضل شاہ اور حضرت محمد اشرف فاضلی کا ارشاد ہے: ہر خلوت کی ایک جلوت ہوتی ہے اور ہر جلوت کی ایک خلوت ہوتی ہے مقدم الذکر خلوت کے پنجتن پاک ہیں، مؤخر الذکر جلوت کے پنجتن پاک ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار خلوت کے پنجتن پاک میں بھی ہے اور جلوت کے پنجتن پاک میں بھی ہے۔ بسم اللہ شریف کی تفسیر میں محترم مصنفین تفسیرِ فاضلی فرماتے ہیں: ''صاحبو! اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ جو پاک ہو وہی اسے پا سکتا ہے۔ یہ پاکی اللہ کے محبوب سے عطا ہوتی ہے اور اسکی بدولت مخلوق کے ساتھ پورا رہنے کا ذاتی اور صفاتی علم عطا ہوتا ہے۔ الرحمٰن کی شان یہ ہے کہ وہ رحم کرتا ہے اور جب کوئی مقصود سے دور ہو رہا ہو تو اسے قریب کرنے کیلئے سختی بھی کرتا ہے۔ مگر یہ وقتی ہوتی ہے۔ پھر اس کا رحم ہی رحم ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ جس پر اللہ کا کرم ہو اس کے قریب ہونے کا شرف ہو جائے۔ اس طرح بسم اللہ عمل سے ہو جاتی ہے، ورنہ قول کی تکرار سچّا ثابت ہونے کیلئے کافی نہیں ہے۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچّا ثابت نہیں ہوتا۔'' تفسیرِ فاضلی ہر آیت کا حاصل بھی بیان کرتی ہے۔ اس آیتِ کریمہ کا حاصل یہ بیان کیا گیا ہے: ''ہر کام میں بسم اللہ قول سے ادا کرنا حق ہے۔ عملاً یہ دیکھنا لازم ہے کہ ہم عبادِ مخلصین کے اتباع میں تجویز سے پاک رہیں۔'' بہت کچھ جو تصوف کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے دراصل سریّت یا باطنیت سے سوا کچھ اور نہیں۔ طریقتِ شاہدین سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ باطنیت کو فروغ دینے والوں نے ایک روایت گھڑ لی ہے کہ قرآنِ پاک کی تلاوت سات طرح سے کی جا سکتی ہے۔ اس طرح قرآنِ پاک میں اپنی مرضی کے معنی داخل کرنے کی انہیں وسیع گنجائش مل جاتی ہے۔

پوچھا جا سکتا ہے کہ شاہد کے بغیر اپنا تزکیہ آپ کیوں نہیں کیا جا سکتا! اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنا تزکیہ آپ کر لیا ہے تو یہ محض دعویٰ ہو گا جس کا کوئی شاہد نہیں ہو گا۔ اس بیان کی تصدیق کون کرے گا۔ جو اپنا تزکیہ آپ کرنے کی بات کرتا ہے، جو کسی کو اپنے سے بڑے علم والا ماننے کیلئے تیار نہیں، وہ اللہ کے اس امر پر کہ: ...اتباع اس کا کرو جو میری طرف رجوع لائے... پر عمل پیرا کس طرح ہو سکتا ہے! اسی طرح فرمانِ الٰہی

ہے:...اللہ درجات بلند فرماتا ہے جس کے چاہتا ہے۔اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے...(۷۶:۱۲)
اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اشیاء کے ناموں کا علم عطا فرما کر فرشتوں پر آدمؑ کے علم کی فضیلت واضح فرمادی۔ابلیس فرشتوں کی اس جماعت کے ساتھ تھا۔تکریمِ آدم سب سے پہلا حکم تھا جو کائنات میں دیا گیا۔فرشتوں نے فرمانِ الٰہی کے مطابق سجدہ کر کے آدمؑ کی فضیلت کو ماننے کا ثبوت دے دیا۔ابلیس کا کیا مسئلہ تھا!ابلیس نے فرمانِ الٰہی پر عمل کیوں نہ کیا!آدم علیہ السلام کو اپنے سے بہتر نہ ماننا ہی ابلیس کا مسئلہ تھا!اپنا تزکیہ آپ کرنے کا دعویٰ کرنیوالوں کیلئے کسی کو اپنے سے بہتر ماننا ہی مشکل ہوتا ہے۔ ابلیس اگر آدمؑ کو اپنے سے بہتر مان لیتا تو وہ اپنی پسند اور ناپسند کے دائرے سے نکل آتا۔سورہ لقمان میں فرمایا گیا ہے:...میرا اور اپنے والدین کا شکر کرو۔میری ہی طرف آنا ہے۔اور اگر وہ دونوں تم پر زور دیں کہ تم میرا شریک ٹھہراؤ، جو تمھیں معلوم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کرنا،اور دنیا میں معروف طریق پر ان سے مصاحبت کرنا، اور اتباع اس کا کرنا جو میری طرف رجوع لائے...(۳۱:۱۴۔۱۵) اللہ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرنا رخ کے درست ہونے کی سند ہوتا ہے۔حال پر اللہ کے محبوب کو شناخت کر کے اسکا اتباع کرنا ہی طریقت ہے۔یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کے بغیر شریعت پر عمل کرنے والا اپنی پسند اور ناپسند کے دائرے سے باہر نکل سکے۔اللہ کے محبوب کے قدم کو بوسہ دئے بغیر قول سے عمل کے درجے میں داخل ہونے کا شرف ہوتا ہی نہیں۔کہا جا سکتا ہے کہ فرمانِ الٰہی ''...اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے...''(ماخوذ ۴:۴۹، ۲۴:۲۱) کے بعد شاہد کو تلاش کرنے اور پانے کی ضرورت رہتی ہی کہاں ہے!
تفسیرِ فاضلی کے مطابق اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تزکیہ عطا فرمانے کا شرف عطا کیا ہے۔جسے پاک کرنا حضور پسند فرماتے ہیں،اللہ اسے پاک کر دیتا ہے۔قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:اے محبوب! آپ فرما دیجئے،''اگر تم اللہ کی حبّ چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو،اللہ تمھیں ان لوگوں میں شامل فرمالے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔''(۳:۳۱) اللہ کا درجہ محبّ کا ہے۔محسنین، توابین،مطہرین،متطہرین، صابرین، متوکلین، مقسطین،متقین،اللہ کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑنے والے، اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للہ کے محبوب ترین بندے ہیں۔شاہدین میں یہ صفات بدرجۂ کمال ہوتی ہیں۔یہ اللہ کو بہت محبوب ہوتے ہیں۔اللہ اپنے محبوب پاک کا محبّ ہے، ماننے والے بھی اللہ کے محبوب کے محبّ ہیں۔بعض لوگ اس آیتِ کریمہ سے کہ''۔۔۔ایمان والے اللہ سے محبت کرتے ہیں اشدّ۔۔۔''(۲:۱۶۵) یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ ایمان والوں کا محبوب ہے۔تفسیرِ فاضلی کا موقف ہے کہ ''جس کی صداقت اور امانت کی شہادت دی جائے،اس کی بات کو بلا دلیل ماننا ایمان بالغیب ہے۔''۱۷

ایمان والے شاہد کی صداقت اور امانت کی شہادت دے کر آپکی اتھارٹی پر اللہ کو مانتے ہیں اور اپنے شاہد کے اللہ کی حیثیت سے اس سے اشدّ محبت کرتے ہیں۔ اللہ سے انکی محبت، شاہد کی محبت ہی کا تقاضا ہوتی ہے۔ جب تک شاہد کی کامل معیت نہ ہو، اللہ کی حبّ کے اشدّ ہونے کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ جو اللہ کے محبوب کو مانے بغیر اللہ کو مانتا ہے، اللہ اس کو نہیں مانتا۔ فرمانِ الٰہی ہے:... اور معلوم رہے کہ اللہ کے رسول تمھارے درمیان موجود ہیں...(۴۹:۷) تفسیرِ فاضلی کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شاہدین اور مخلصین کی صورت ایمان والوں کے اندر موجود ہیں۔۱۸ تفسیرِ فاضلی کے مطابق جو حال پر اللہ کے محبوب کا اتباع کرتا ہے، اللہ اسے چاہتا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اسے اللہ کے محبوب سے تزکیہ عطا ہوتا ہے اور تصدیق عطا ہوتی ہے۔۱۹ جو اپنی خواہش کا اتباع کرے وہ مشقت میں پڑ جاتا ہے۔ پھر بھی اللہ کو منظور ہو تو خیر کی طرف آنے کا شرف ہو جاتا ہے، لیکن اگر تعلق ہی منقطع ہو گیا ہو تو پھر خیر کی طرف آنے کا راستہ ہی بند ہو جاتا ہے۔ شان یہ ہے کہ جو شاہد کی نہ مانے شاہد اسے مان لیتے ہیں تاکہ تعلق برقرار رہے اور خیر کی طرف آنے کا راستہ کھلا رہے۔

(جاری ہے.....)

حوالہ جات

۱۔ 'تعارف' تفسیرِ فاضلی منزل اوّل، لاہور،۱۹۸۱

۲۔ 'منافقین' کا شمار یقیناً 'اصحاب الشمال' میں ہوگا۔منافق زبان سے مسلمان ہونے کا دعوے دار ہوتا ہے لیکن دل میں وہ آپ کا ماننے والا نہیں ہوتا۔سورہ المنافقون قرآن پاک کی تریسٹھ(۶۳)نمبر کی سورہ ہے پہلی آیت کا ترجمہ ہے۔"جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں،ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں،اللہ کو علم ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں، اوراللہ شہادت دیتا ہے کہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔(۱:۶۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منافق حضورﷺ کے زمانے میں تھے۔ اسی سورہ میں فرمایا گیا ہے:"برابر ہے آپ منافقین کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں،اللہ ان کو نہیں بخشیگا۔"(۶:۶۳) فرمایا گیا "نہ منافقین کے لئے کبھی دعا کریں جب وہ مر جائیں ، اور نہ ان کی قبرپر کھڑے ہوں۔" (۹ : ۷۹۔۸۴) قرآن پاک میں مسجد ضرار کا ذکر ہے جو بنائی ہی فساد پیدا کرنے کیلئے گئی تھی۔ حضورﷺ نے اللہ کے فرمان پر اس کوختم کر دیا۔ کیا اس کے بنانے والے مسلمان ہونے کے دعوے دار نہیں تھے۔(۹ : ۱۰۷۔۱۰۸) اس کا مطلب ہے کہ منافق مسلمانوں کے اندر موجود تھے۔مسلمانوں کے تینوں گروہ حضورﷺ کے زمانہ میں بھی تھے،حال پر بھی ہیں،آئندہ بھی ہونگے۔لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی کا نام لے کر اسے منافق کے لفظ سے لیبل نہیں کیا اور حضور پاکﷺ نے بھی اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے تو پھر حق یہی ہے کہ اپنے حال پر نظر رکھی جائے،کسی کا قول،عمل یا علم خلافِ حق نظر آتا ہے تو سند کے ساتھ اس بات کو واضح کر دیا جائے لیکن اس پر منافقت کا لیبل لگانے کا حق قطعاً نہیں پہنچتا۔

۳۔ایضاً،تعارف،ص 'ج'

۴۔ایضاً،تاثرات

۵۔ایضاً،تعارف

۶۔تفسیرِ فاضلی منزل ہفتم،لاہور،۱۹۹۸،ص ۲۲۸

۷۔القرآن،۶۹:۴

۸۔تفسیرِ فاضلی،جلد چہارم،۲۰۱۲،ص ۲۶۱

9-Seyed Hossein Nasr, *Ideals And Realities of Islam*, (London:George Allen & Unwin Ltd), 1966,p.128

10-Ibid, p.15,16,17,19,137etc.

11-Muhammad Fuad al-Baqi, The Concordance of the Quran, Lahore:Suhail Acadamy,1992

12-Marmaduke Pickthall, The Glorious Qur'an (Text and

Explanatory Translation), Taj Company Ltd, 1984, 580-81; and Yousaf Ali, Abdullah, An English Interpretation of the Holy Quran, Lahore Pakistan: Sh. Muhammad Ashraf, 1934, p.927-28

13-According to William C. Chittick the first clear and detailed formulation of *wahdat al-wuju*d is usually ascribed to al-Shaykh al-Akbar, Muhyi al-Din Ibn al-Arabi (560/1165-638/1240). The term *wahdat al wujud* itself is not found in any texts before the works of Ibn al-Arabi's school. Ibn al-Arabi himself never employs the term *wahdat al-wuju*d in his enormous corpus of writings however he frequently discusses wujud and often makes explicit statements that justify that he supported the idea of *wahdat al-wujud* in the literal sense of the term., William C. Chittick , "*Wahdat al-Wujud* In Islamic Thought" The Bulletin, Jan.- Mar . 1999, p. 8. Also, Seyyed Hossein Nasr, "The Quran and Hadith as source and inspiration of Islamic Philosophy", History of Islamic Philosophy part-1,Seyyed Hossein Nasr and Oliver Leaman (edts.), (London: Routledge) 1996, 29.

۱۴۔ تفسیر فاضلی جلد ۶، ۱۸:۴۵، ص ۳۱۴

۱۵۔ تفسیر فاضلی جلد ۱، ۱:۵۔۶، ص ۲۔۳

16-Seyyed Hossein Nasr, Ideals and Realities of Islam, 2nd Impression 1999, Lahore: Suhail Academy, p. 63.

۱۷۔ ایضاً، تفسیر آیت ۲:۳

۱۸۔ ۱۵:۴۰، ۵ :۸۳، ۳:۵۳

۱۹۔ تفسیر فاضلی، جلد اول، تفسیر آیت ۴:۴۹